نوائے سروش

مرتّبہ میرزا حسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ

www.agharang.org

نوائے سروش

مرتّبہ میرزا حسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ

ناشر۔ بزم اختیاریہ، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	نوائے سروش
مرتّبہ	میرزا حسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ
سال	مئی 2017
ای میل	info@agharang.org
ویب سائٹ	www.agharang.org

ناشر۔ بزم اختیاریہ، کراچی

فہرست

دیباچہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پانچواں موسم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرزا احسن نظامی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱

غالب کے اشعار۔ایک اور زاویۂ نگاہ۔۔۔۔۔۔۔میرزا احسن نظامی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴

چومک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ میرزا احسن نظامی۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷

ہنستا ہُوا نورانی چہرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شکیل اسلم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸

بہ شکلِ شیخ دیدم مصطفٰےؐ را۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ رضی انصاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰

آئینۂ جمالِ حق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔توصیف انصاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳

دنیا سے غرض کیا! میری دنیا آپ ہیں۔۔۔۔۔۔۔خجستہ احسن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام۔۔۔۔۔۔۔۔۔شیزا عاصم میرزا۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶

میری منزل۔حضرت اِختیار حُسینؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سلیم اِختیاری۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷

حضرت صاحبؒ۔ایک روشن ضمیر بزرگ۔۔۔۔۔سلیم اِختیاری۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰

ہمارے مرشدؒ کے بارے میں ایک پیر صاحب کی رائے۔متین اِختیاری۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۱

عیادت و عمرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔متین اِختیاری۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲

بیوی پر نظرِ کرم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔متین اِختیاری۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۵

دیباچہ

؎ ایمان و دل و جان سب پہلے ہی تصدّق ہیں
میں خود بھی نہیں اپنا، کیا دُوں تجھے نذرانہ

ہر انسان کی ایک فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، جس سے محبت کرتا ہے، دُنیا کی بہترین چیز اُس کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ لیکن دنیا اور اس میں موجود کسی بھی چیز کا تقابل بذاتِ خود محبوب سے کیا جائے، یہ ممکن نہیں۔ محبّ کو محبوب سے اچھا کچھ نہیں لگتا، اسی لیئے اس کی تمام کاوشیں محبوب کے محور کے گرد گھومتی ہیں۔

شیخ طریقت، حق آگاہ، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حُسین کیف نیازیؒ کے تمام اِرادتمندوں کا بعینہٖ یہی حال ہوتا ہے، لیکن سُورج کو چراغ دکھانے کے بجائے لوگ اپنی محبتوں اور عقیدتوں کے پھول، اپنا نذرانہ سمجھ کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیتے ہیں۔

یہ مجلّہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے، اِک ایسی ہی کاوش اور عقیدت و محبت کا گلدستہ ہے۔

بزمِ اِختیاریہ کے زیرِ انتظام، حضرت پیر و مُرشد ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حُسین کیف نیازیؒ کے پانچویں عُرسِ اقدس کے موقع پر صاحبِ سجادہ حضرت میرزا احسن نظامی (رُومی میاں) اور پیر بھائیوں کی تحریروں سے سجا یہ مجلّہ نہ صرف اِس عُرس مبارک کی شان میں اِضافے کا سبب بنے گا بلکہ حضرت پیر و مرشدؒ کے روحانی فیض کا بھی آئینہ دار ہوگا۔

یہ ممکن نہیں کہ نام بہ نام اُن لوگوں کا ذکر کیا جائے جن کی محنت سے یہ مجلّہ اس رنگ میں آپ کے ہاتھوں تک پہنچا۔ اس تمام کاوش میں بزمِ اِختیاریہ کے اراکین پیش پیش رہے اور کئی پیر بھائیوں اور بہنوں نے بھی اپنا حصّہ ڈالا ہے، حضرت پیر و مرشدؒ ان کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں اور اپنے فیض کے دریا سے سیراب کرتے رہیں۔ آمین

حرفِ آخر یہ کہ بزمِ اِختیاریہ کے زیرِ اِنتظام اِسی طرح کی اور کاوشوں کا بھی اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ آپ تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ اپنی تحاریر اور اس کے علاوہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، اس کارِ خیر میں شامل ہوں۔

زیرِ انتظام:۔

بزمِ اِختیاریہ

سرپرستِ اعلیٰ:۔

حضرت میرزا احسن نظامی سلمہٗ تعالیٰ

پانچواں موسم

ہم کینیڈا کے جس شہر میں رہائش پذیر ہیں، وہاں موسمِ بہار کی آمد آمد ہے۔ سبزہ و گلہائے رنگارنگ نیند سے جیسے بیدار ہونے کو ہیں۔ نظر اُٹھتی ہے تو ابرِ باراں کے قافلے قطار اندر قطار جاتے نظر آتے ہیں اور بھیگی ہوا کے جھونکوں کی تراوٹ رُوح کو ایک عجیب بے معنی و بامعنی فرحت سے دوچار کرتی ہے۔ اکثر یہ بادل کبھی پھوار کی صورت اور کبھی مُوسلا دھار بارش کی شکل میں زمین پر اُتر جاتے ہیں اور تب مٹّی کی سوندھی خوشبو ہر جانب ایک صندل سا مہکا جاتی ہے۔

موسمِ بہار کی آمد کا سُرور اپنی جگہ، لیکن ہم منتظر ہیں اس مبارک ساعت کے، جب اُس ہستی کے دربار میں حاضری دے سکیں، جس نے ہمیں زندگی کے پانچویں موسم سے رُوشناس کرایا یعنی اُس عشقیہ موسم سے جو ماورائے نفس ہے۔ یہ موسم، اس عالمِ شوق کا استعارہ ہے جہاں حُبِّ الٰہی میں دھڑکتے دل، سمندری موجوں کی مانند، پورے چاند کی چاہ میں ایک عُروجی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں اور چہار سُو انوارِ الٰہی کی چاندنی پھیل جاتی ہے۔ یہ کیفیت اُس ہستی کے دربار کا ذکرِ خیر ہے، جس کی فضاء میں طلوعِ آفتاب زمین کی گردش کا محتاج نہیں بلکہ ہر جا، ہر سمت اور ہر دم سالکین کے اُوپر سایہ فگن رہتا ہے۔ جہاں وقت ندارد اور صدیاں لمحات میں پنہاں ہوتی ہیں:۔

؎ وہ میرے سامنے ہیں، ہو کائنات جیسے
صدیوں پہ چھا گیا ہے، وقتِ حیات جیسے

یہ مختصری تمہید ہمارے پیر و مُرشد حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اِختیار حُسینؒ کی شان میں ایک حقیر سا نذرانہ ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی موجودگی، ہماری زندگی کا عطر ہے۔

؎ اِک جھونکا مَیں ہوا کا، بے نام و رنگ و خوشبو
اس گُل سے چھو کے گویا مہکی حیات جیسے۔

سالکین، جو آپؒ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں، بلاشُبہ اپنے حضرت پیر و مُرشدؒ کی موجودگی سے زندگی کے پانچویں موسم کا حظ اُٹھا رہے ہیں، اور اس سال آپؒ کا پانچواں عُرس شریف بھی منعقد ہو رہا ہے۔ ولی اللہ کی روحانی موجودگی تو ہر زمانے میں مسلّم ہے۔ جیسا کہ حضرت احمد جامؒ فرماتے ہیں:۔

؎ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(یعنی تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہونے والوں کے لیئے غیب سے ہر گھڑی نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔)

یہ شعر دراصل قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر ہے:

'' اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم کو خبر نہیں!'' (سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ولی، اللہ کا قُرب پانے کے لیئے جہاد فی النفس کا راستہ اِختیار کرتا ہے، نتیجۃً، اُس کی ظاہری زندگی بھی راضی بہ رضا کا مظہر ہوتی ہے۔ اور راہِ حق کے شہیدوں کی یہی تو نشانیاں ہوتی ہیں، جہاں وہ خُود سے فانی اور حق سے باقی ہوتے ہیں۔

حضرت پیر و مُرشدؒ کا سالکین کی روحانی تربیت کرنے کا ایک اچھوتا اور دلکش انداز تھا۔ ویسے تو آپؒ داخلِ سلسلہ کرنے کے بعد مجوّزہ و مقررہ اشغال واذکار کی تلقین فرماتے اور اُن کے عمل کرنے کے مخصوص طریقے بتاتے۔ اس سلسلے میں یہ جاننا چاہیئے کہ یہ مروّجہ اذکار صُوفیائے کرام کی اپنی ذہنی اختراع نہیں ہوتے، بلکہ یہ قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

۱۔ '' سو تم یاد رکھو مجھ (اللہ تعالیٰ) کو، میں یاد رکھوں گا تم کو۔'' (سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۵۲)

۲۔ '' اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔'' (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۴۱)

۳۔ '' بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والا اور ذکر کرنے والیاں، ان سب کے لیئے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب۔ آیت ۳۵)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر قمری ماہ کی ۱۲ اور ۱۳ تاریخ کی فاتحائیں، جو بالترتیب آپؒ کے پیر و مرشدؒ اور آپؒ کے دادا پیرؒ کی تاریخِ وصال ہیں، آپؒ کے زیرِ سرپرستی منعقد ہوتی تھیں۔ فاتحہ اور دعا کے بعد عموماً آپؒ خاصی دیر خاموش تشریف فرما رہتے اور سالکین پہ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

؎ خاموش ہیں مگر ہیں از سر بہ پا تکلّم
رنگوں کی گفتگو یا خوشبو کی بات جیسے۔

اس درمیان سالکین بھی سر جھکائے خاموش بیٹھے خود کو اشغال واذکار میں مشغول رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ایک عجیب سماں ہوتا تھا۔ اس ماحول کی نورانیت وطمانیت کا اظہار الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں! مختصراً یہ کہ جب آپؒ کی محفل برخاست ہوتی تو قلب پہ کافی دیر تک ایک سرشاری کی کیفیت طاری رہتی، جیسے کسی اَن دیکھے گُلستان سے خوشبو کے جھونکے مستقل قلب کو معطّر کیئے جا رہے ہوں۔

علاوہ ان فاتحاؤں کے، روزمرّہ زندگی میں آپؒ کی موجودگی وصحبت، قلب کو وہ سکون دیتی کہ زندگی میں کچھ اور پانے کی تمنّا کا احساس ہی نہیں رہ جاتا۔ پھر یہی نہیں کہ آپؒ ایک صوفی ہونے کے ناطے صرف مذہبی گفتگو تک ہی خود کو محدود رکھتے بلکہ ادب اور آرٹ سے بھی آپؒ کو بے انتہا شغف تھا۔ اسی وجہ سے آپؒ کی لائبریری میں نہ صرف مذہبی کتابیں بلکہ ادبی کتابوں کا بھی خاصا بڑا ذخیرہ تھا۔ آپؒ اپنے متوسلین کو اچھا ادب پڑھنے کی جانب راغب کیا کرتے تھے کہ اس سے زاویۂ نگاہ میں وُسعت اور شعور میں ایک بیداری کی کیفیت نمایاں ہوتی۔ یہ سب آپؒ کی روحانی تربیت کے مختلف انداز رہے

کہ سالکین کو عقائد میں کبھی کسی سختی کا پابند نہ کیا اور دنیا کے کسی کھیل تماشے میں حصّہ لینے سے منع نہ فرمایا۔ کیونکہ آپؒ کی تربیت کا لُبِ لباب ''دل بہ یار دست بہ کار'' تھا۔

ویسے تو ہم سب جو آپؒ سے وابستہ ہیں، زندگی کی ہر نعمت میں آپؒ کے منعم ہونے کا اشارہ پاتے ہیں۔ پھر بھی دل یہی چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی انداز سے آپؒ کو یاد کرتے جائیں اور آپؒ کا ذکر سنے جائیں۔

یہ مجلّہ جو آپؒ کے پانچویں عُرس شریف کے موقع پہ مدوّن کیا گیا ہے، اس کی عِلّت بھی کچھ یہی ہے کہ جو موقع بھی حضرت پیر و مرشدؒ کو یاد کرنے کا ملے، اس سے بھرپُور استفادہ حاصل کیا جائے اور جو ہماری استطاعت ہے، اُس حساب سے اسے سنوارا سجایا جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب یکطرفہ نہیں بلکہ جگہ جگہ حضرتؒ کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے کہ جیسے آپؒ اپنی ظاہری زندگی میں سراپا شفقت رہے، ویسے ہی اب بھی ہماری تمام کمزوریوں اور گستاخیوں کے باوجود آپؒ کا ہاتھ ہمارے سروں پر ہے، بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ:

آنکھوں میں اُن کی صورت کچھ اس طرح سمائی
ہر چہرہ اُن کا چہرہ، ہر سُو وہ ذات جیسے
دُوری کہاں ہے باقی، اب کون کس کو دیکھے
آئینے ٹوٹے سارے، باقی ہو ذات جیسے۔

غالب کے اشعار۔ایک اور زاویۂ نگاہ

از۔میرزا احسن نظامی

میرزا غالب کی ایک غزل جس کا مطلع ہے۔

تسکین کو ہم نہ روتے جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تیری صورت مگر ملے

کئی دنوں سے اس شعر نے اپنے سحر میں گرفتار کر رکھا ہے۔ہم سب شاعری کے اس کمال سے واقف ہیں جہاں بعض اشعار کچھ اسطرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ جس کی شرح بیان کرنے کیلئے الفاظ ناکافی سے محسوس ہوتے ہیں اور قلب پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک میٹھی، سلگتی سی آگ کا مظہر ہوتی ہے۔جس کی تپش ذہن میں موجود متفرق خیالات کی دھند کو مٹا کر ایک یکسوئی کا عالم طاری کر دیتی ہے اور ایک ان دیکھی دنیا سے اس ظاہری دنیا کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

بظاہر تو غالب کے اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہماری نظر اس قابل ہو جائے کہ ہر سمت جمالِ محبوب کا نظارہ کر سکے تو پھر ہمیں زندگی میں کچھ اور دیکھنے کی چاہ نہ رہ جائے گی۔لیکن غالب کی بیشتر شاعری آمد پر مشتمل ہے۔ایسی شاعری انسانی روح کی اس عظمت سے تشکیل پاتی ہے، جہاں وہ اپنے مرکز سے جیسے کچھ خوشبو حاصل کر کے فضا میں بکھیر دیتی ہے۔اسی وجہ سے ایسے اشعار کُل انسانیت کا سرمایہ ہوتے ہیں اور آئینے کی طرح مختلف انسانوں کو ان کا چہرہ دکھانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

دراصل انسان روزِ اوّل سے سکون کا متلاشی ہے۔''خلد'' سے آدم کا نکلنا بے سکونی کی جانب پہلا قدم تھا۔اب وہ اپنی گمشدہ جنت کی تلاش میں گھر سے بے گھر ہے۔اور کسی نہ کسی شکل میں سکون ڈھونڈ رہا ہے۔حتٰی کے جنگ و جدل بھی بالآخر سکون کی ہی منزل پر منتج ہوتے ہیں۔اسی طرح تسکین کی ایک شکل انسانیت کی خدمت کی صورت نمودار ہوتی ہے یعنی تسکین کے بھی ہزار ہا پہلو ہیں۔لیکن یہاں ہم صرف عشق و محبت کے زاویہ سے ہی اس شعر کو دیکھیں گے کیونکہ یہی جذبہ انسانیت کی معراج واقع ہوا ہے۔

نظر نہ صرف بینائی سے متعلق ہوتی ہے بلکہ جو کچھ وہ دیکھتی ہے اس میں احساس کا جادو بھی جگاتی ہے اور اسی وجہ سے دیکھنے میں بھی تفاوت آجاتا ہے کہ جہاں ایک ہی منظر ناظرین کے لئے صدا انداز سے اپنی خوبصورتی کا اظہار کرتا ہے اور درجہ بہ درجہ دیکھنے والی آنکھوں کے لئے باعثِ تسکین ہوتا ہے۔

اقلیمِ عشق و محبت میں تسکین کا ایک پہلو وہ ہوتا ہے، جو ایک انسان تک محدود ہوتا ہے۔جہاں انسانی احساسات شاعرانہ طرزِ بیان میں کچھ یوں ظاہر ہوتے ہیں:

وہ چاند چہرہ ستارہ آنکھیں
وہ مہرباں سایہ دار زلفیں
جنہوں نے پیماں کئے تھے مجھ سے
رفاقتوں کے محبتوں کے
کہا تھا مجھ سے کہ اے مسافر رہ وفا کے
جہاں بھی جائے گا، ہم بھی آئیں گے ساتھ تیرے
بنیں گے راتوں میں چاندنی ہم، تو دن میں سائے بکھیر دینگے۔
(عبید اللہ علیم)

پھر ایک آفاقی عشق و محبت کا مرحلہ پیش آتا ہے جس کی نمائندگی فیضؔ کی شاعری بھرپور انداز سے کرتی نظر آتی ہے:

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

خیال رہے کہ یہاں فیضؔ عشق و محبت کا انکار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسے محدود سطح سے اُٹھا کر آفاقیت کا تاج پہنا رہے ہیں۔
اسی طرح وقت کا دھارا، انسان کو نت نئے تجربات سے روشناس کراتا چلا جاتا ہے اور سکون کا متلاشی انسان، مختلف منازل سے گذرتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کے موت کے بعد بھی جنت میں ایک ابدی سکون پانے کی تمنا کرتا ہے۔
یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ ہر نظر آنے والی شے ایک وقتی تسکین کا منبع ہوتی ہے۔ غالب اس شعر کی وساطت سے، انسانی سکون کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑی نفسیاتی گتھی سلجھاتے ہیں کہ صرف بیرونی طور پر دیکھنا کافی نہیں، کسی بھی انداز کے بیرونی اثرات جو تسکین کا متحرک ہوتے ہیں، وہ وقت اور تجربات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے نہ صرف دنیاوی محبوب بلکہ اگر جنت کی حوریں بھی مل جائیں تب بھی بے سکونی سے چھٹکارا ممکن نہیں!
ہاں اگر ہم اپنے اندر اس تصور کو بیدار کر لیں، جو 'جمیل' ہے تو پھر ہر شے میں جمال کا پرتو نظر آنے لگے گا۔ اور اسی کو غالب ذوقِ نظر کہہ رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اندر وہ خیال کیسے بیدار ہو کہ جہاں نظر اٹھے، وہاں دیدار ہو جائے۔ دراصل اسکے لئے بیداریٔ قلب شرط ہے اور وہی ذوقِ نظر عطا کرتی ہے۔ اور جب ذوقِ نظر بیدار ہو گیا تو بھلا تسکین کی ہمیں کیا ضرورت باقی رہ جائے گی۔ بات دراصل اتنی سی ہے کہ کم از کم ہمارے لئے ایک مستقل تصورِ جمال، مرشد کے تصور سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کے تصور میں کسی بھی طرح کی خواہش کا عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ قلب، محض مرشد کی محبت کا متمنی رہتا ہے۔
بقول فرازؔ

دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں

اور کیونکہ حورانِ خُلد، حسن کی انتہا سمجھی جاتی ہے تو اصل ''تصورِ جمال'' یا دوسرے الفاظ میں ''ذوقِ نظر'' حاصل ہو جانے کی

صورت، ان حوروں کی بھی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ دراصل مرشد اور ارادتمند کا تعلق ایک پاکیزہ ترین رشتہ کا مظہر ہوتا ہے جو خواہشات کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ ایک صحیح ارادتمند یا عاشق نہ صرف اپنی خواہشات بلکہ صحیح معنوں میں مرشد کے سامنے ''خود'' کو ہی بھلا بیٹھتا ہے۔ اپنا ہونا یعنی اپنی موجودگی انسان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔ صرف مرشد کی موجودگی اس شمع کی مانند ہوتی ہے جسکی آگ میں پروانہ بخوشی نچھاور ہو جاتا ہے اور یہ کوئی کہانی قصہ نہیں بلکہ ہم میں سے اکثر اس کیفیت سے گذرے ہیں کہ جہاں مرشد کی مسکراہٹ اپنے سکون سے برتر نظر آتی ہے، بلکہ اپنے سکون کی انتہا محسوس ہوتی ہے۔ اسی غزل کا ایک اور شعر ہے جو اسی کیفیت کو نمایاں کرتا ہے۔

اپنی گلی میں دفن نہ کر مجھ کو بعد قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

بہ لحاظِ توحید ایک ہی ہے جو موجود بھی ہے اور غائب بھی! نظروں کے ساتھ بھی ہے اور پوشیدہ بھی ہے۔ غرض کہ جو کچھ بھی نظر آتا ہے یا ظاہری آنکھوں سے نہیں بھی نظر آتا ہے، وہ ایک ہی وجود کی جلوہ پاشیاں ہیں۔ اور وہی ذاتِ حق ہے۔ لیکن جیسا کہ پچھلے شعر کی تشریح کے دوران ''خود کو بھلا دینے'' کا ذکر آیا تھا۔ اس کیفیت کے طاری ہوئے بغیر ذاتِ حق کا قرب بعید واقع ہوتا ہے۔

اس شعر میں عاشق اپنی فنائیت کا اظہار کر رہا ہے کہ جب 'لا' کی تلوار سے تو نے میرے نفس کو قتل کر دیا، تو اب عشق و محبت کی دنیا میں تیرے سوا کون باقی رہا۔ اب میں محض تیرے آئینے کی مانند باقی ہوں۔ اب تو ہی بتا کہ کیا آئینے کو دیکھنے والا اور اس میں نظر آنے والا الگ الگ ہوتے ہیں؟ پھر میرا پتہ، تیرے گھر سے الگ تو نہ ہوا کہ لوگ پہلے میرے پاس آئیں اور پھر تجھے پائیں۔ حقیقتاً جو میرے پاس آ گیا اسے اب بھلا کہاں جانا ہے؟ یہ 'تُو' اور 'میں' کی تکرار چہ معنی دارد! کیا یہ محض خود کلامی نہیں! اے محبوب! اب مجھے سامنے سے ہٹا دے اور خود ظاہر ہو جا کہ دیکھنے والے کیوں مغالطے میں مبتلا ہوں کہ محبوب کی موجودگی میں عاشق بھی ظاہر ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت آغا صاحبؒ کا مزار بصرفِ کثیر تعمیر کروایا تھا، جو آپؒ کماتے، وہ مزار کی تعمیر میں خرچ کرتے اور یہی وجہ تھی کہ جب آپؒ کا وصال ہوا تو آپؒ کے پاس سوائے اللہ نام کے کچھ نہ تھا۔ آپؒ چاہتے تو حضرت آغا صاحبؒ کے مزار میں اپنے لئے بھی جگہ رکھوا سکتے تھے لیکن سختی سے آپؒ کا حکم تھا کہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہاں اس تناظر میں اس شعر کو دوبارہ پڑھیں۔ تب بھی بہت لطف دیگا۔

چومک۔

از۔ میرزا احسن نظامی

عرس شریف میں فاتحہ کے دوران، چومک بھی تبرک کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ یہ روئی کی چار بتیوں پر مشتمل چاندی کا ایسا چراغ ہوتا ہے، جہاں روئی کی بتیاں گھی میں بھیگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اوپری چاروں سرے چار سمتوں کی جانب سے دیئوں کی مانند روشن کئے جاتے ہیں۔ اس مناسبت سے حضرت پیرو مرشد کا ایک شعر یاد آ گیا:

؎ دیا راگھی کے جلاؤ سکھی ری   انگنا میں آئی بہار سکھی ری۔

بعد از فاتحہ اور دعا، شرکاء اسکی چو رُخی لَو کے اوپر اپنی دونوں ہتھلیاں رکھ کے، اپنے چہرے و سینے وغیرہ پہ پھیر لیتے ہیں۔
چومک روشن کرنا نہ صرف اپنے آپ میں ایک مکمل پیغام بلکہ روحانیت کے متلاشیوں کے لئے اس میں تعلیم بھی ہے۔ چار چراغ روشن کرنے کا مطلب چاروں جانب روشنی پھیلانا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

"اللہ نور السّمٰوٰتِ والارض"   (اللہ زمین و آسمان کا نور ہے)

بس چار چراغ چومک کی صورت روشن کرنے میں استعارتاً "نور کا پھیلاؤ" مراد ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک اور نکتہ غور طلب ہے کہ چراغ نہ صرف خود روشن ہوتا ہے بلکہ اپنے اطراف میں بھی اجالا پھیلاتا ہے۔ یعنی نہ صرف وہ خود نور ہے بلکہ ہر جا، اسی کے نور سے روشن ہے۔ اسی طرح چراغ کی 'لَو' ہمیشہ اوپر کی جانب اٹھتی ہے۔ یہاں بھی اشارہ ہے کہ انسانی روح ہمیشہ اپنے مرکز کی جانب عروج کرنا چاہتی ہے۔

ایک اور زاویہ سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ چراغ کی 'لَو' ہر لحظہ فنا ہوتی ہے اور ایک نئی لَو اسکی جگہ لیتی چلی جاتی ہے۔ یعنی ہر لحہ چراغ کی لَو ایک تجدید کے عمل سے گذرتی ہے۔ لیکن یہ اتنی سرعت سے ہوتا ہے کہ فنا بقا بظاہر ایک نظر آتے ہیں۔ اسی کو صوفیانہ اصطلاح میں "تجدّدِ امثال" کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

کُلَّ یومٍ ھُوَ فِی الشّان   (ہر لحظہ اس کی نئی شان ہے)

نہ صرف یہ بلکہ چراغ کے شعلے میں جلانے کی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ جس طرح شعلہ سونے کی کثافت دور کر کے اسے کندن کی شکل عطا کرتا ہے۔ ایسے ہی استعارتاً، 'نور' انسانی روح کو جو دنیاوی اثرات کے زیر اثر نفسانی خواہشات میں الجھ کر کثیف ہو جاتی ہے، جلا کر جلا پیدا کرتا ہے اور اسے لطافت عطا کرتا ہے۔ تاکہ اپنے مرکز کی جانب وہ عروج کرنے کے قابل ہو سکے۔ اور یہی ہر روح کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر انسانی روح، دنیا میں رہتے ہوئے کثافت سے چھٹکارا نہیں پاتی تو اسے عالمِ مثال جو کہ عالمِ ناسوت (دنیا) اور عالمِ ملکوت کے درمیان برزخ کی مانند ہوتا ہے، وہاں نارِ جہنم کی تپش سے گذرنا پڑتا ہے تا آنکہ اس میں موجود کثافت کے حجابات جل کر لطافت کو جلوہ نمائی کا موقع دیں۔ اور تبھی وہ عروجی سفر ممکن ہوتا ہے، جس کو 'جنت' کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔

ہنستا ہوا نورانی چہرہ

از۔ شکیل اسلم

حضرت جنید بغدادیؒ سید الطائفہ اہل صفا کے سردار تھے۔ سرور کائنات رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت جنیدؒ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا کہ اس پر بیعت کی جائے ورنہ تو یہ شیوہ دربار کا تھا۔ فرق یہ ہے کہ صوفی کی بیعت اخلاقی تربیت کے لئے ہوتی ہے کارِ حکمرانی کے لئے نہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے ''تصوف یہ ہے کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زائل کر کے تجھے فنا کر کے خود سے تجھے زندہ و باقی کر دے۔''

حضرت عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش کی معرکتہ آرا کتاب ''کشف المحجوب'' میں حضرت جنید بغدادیؒ کا اپنے شیخ کے بارے میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے '' میرا شیخ میرے دل سے بخوبی واقف ہے اور میری باطنی ہر حالت سے باخبر ہے۔ اُن کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے کیونکہ وہ میرے اسرار سے بخوبی واقف ہیں اور میں تو ان کے احوال سے بے خبر ہوں''۔

حدیث ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ نبی اور شہید اُن پر رشک کرتے ہیں''۔ پوچھا گیا، 'یارسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں ان کی صفت فرمایئے کہ ہم ان سے محبت کریں'، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ قوم ہے کہ جو روح اللہ سے محبت کرتی ہے، بغیر مال اور کسب کے ان کے چہرے نورانی ہیں اور وہ نور کے منبر پر چڑھیں گے۔'' پھر آپ ﷺ نے وہ آیت مبارکہ پڑھی ''خبردار تحقیق دوستانِ خدا پر نہ خوف ہے نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

ہمارے شیخ مولانا و مرشدنا حضرت شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ ایک مجسّم صوفی تھے۔ حضرت صاحب قبلہؒ کے روحانی مرتبہ اور مقام کے متعلق ہم ایسے کم علم بلکہ لاعلم کیا کہہ سکتے ہیں، تاہم چند مشاہدات و تاثرات محبت احترام اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہیں۔

ہمارے حضرت صاحبؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ ہماری نظروں میں ہے۔ کچھ ہماری پیدائش سے پہلے تھا جسکے مستند راوی ہمارے نانا (حضرت صاحبؒ کے چچا) اور ہماری مرحومہ والدہ صاحبہ ہیں۔

حضرت صاحبؒ کی زندگی کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور کم عمر میں والدِ گرامی کے سایہ سے محروم ہونے سے پاکستان آمد تک، جہاں طویل بیماری بھی تھی اور یہ وعدہ ہو رہا تھا کہ جہاں تک پڑھنا چاہیں گے پڑھ سکیں گے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ بنیادی طور پر آرٹس کے طالب علم ہوتے ہوئے آپؒ کو میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔

دوسرا دور محمد منزل (بلڈنگ) کی چھت پر اپنی ہمشیرہ کے خاندان اور والدہ محترمہ کے ساتھ انتہائی تکلیف دہ حالات میں قیام، پھر اسی چھت پر عارضی بنی ایک کوٹھری میں شادی اور وہاں سے برنس روڈ والے گھر میں منتقلی، پھر ایم بی بی ایس ڈگری کی تکمیل۔ میونسپل کارپوریشن کے اسپتالوں میں واقع سرکاری رہائش گاہوں میں قیام۔ سرکاری نوکری کے ساتھ پرائیویٹ پریکٹس اور پرائیویٹ نوکری بھی۔ جہد مسلسل!!

تیسرا دور سعودی عرب میں ملازمت جس کے نتیجے میں نسبتاً خوشحالی۔ بچوں کی تعلیم، مکان کی تعمیر۔ ہر سال چھٹیوں میں پاکستان اور ہندوستان کے سفر! سب سے بڑھ کر ملک سے باہر قیام کے دوران حضرت صاحبؒ کے مدارج میں مسلسل اضافہ ہوا۔ آپکی ریاضت کو جلا ملی اس کو ہم صرف قیاس کر سکتے ہیں، اصل حقائق سے اللہ ہی واقف ہے۔

چوتھا اور آخری جب آپؒ 1986 میں وطن واپس تشریف لے آئے اور اپنے وصال تک جس طرح حضرتؒ نے ہندوستان اور پاکستان میں اپنے سلسلہ کو توسیع دی جس طرح عقیدت مند آپؒ کی ذاتِ مبارکہ سے فیضیاب ہوئے وہ ہمیشہ ہماری یادوں میں محفوظ رہے گا۔

آپؒ کے نورانی چہرہ پر ایک باتمکنت مسکراہٹ ہمیشہ رہتی۔ خوش اخلاقی اور خوش گفتاری بے مثال تھی۔ کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے، کبھی کبھار غصے میں دیکھا لیکن اونچی آواز میں گفتگو کبھی نہ سنی۔ اپنے بزرگوں کا غیر معمولی احترام کرتے، بچوں سے انتہائی پیار و شفقت فرماتے۔ والدہ جب تک حیات رہیں، آپؒ کے ساتھ رہیں۔ بڑی خدمت کرتے ہمارے حضرتؒ۔ حضرت صاحبؒ کی گفتگو میں حسِ مزاح کا لطیف اظہار پایا جاتا تھا۔ بات کرتے تو انتہائی لطیف پیرائے میں۔ ہنسی ہنسی میں بہت کچھ سمجھا دیتے۔ کوئی شدّت طنز یا درشتی نہ ہوتی۔

ہمارے حضرت صاحبؒ نیازیہ سلسلے کے بڑے بزرگ ہیں۔ مشائخ عصر میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ہزاروں مرید اور عقیدت مند ہیں۔ حضرت کے انوار، احوال اور آثار کے بارے میں عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی، بس اتنا ہے کہ جب کبھی آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے روحانی فرحت محسوس ہوئی۔ اپنے آپ کو بھول گئے۔ آپؒ کی صحبت میں بہتر اور پاکیزہ دنیا کا تصور ابھرتا، رہنمائی حاصل ہوتی۔ ہمارا تو احوال یہ تھا کہ بقول اقبال:

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں،
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں۔

حضرت صاحبؒ بیشتر اوقات اپنے عقیدتمندوں، مریدوں، عزیز و اقارب میں گھرے رہتے۔ ہر کسی کی بات توجہ سے سنتے۔ کبھی آپؒ کو عدیم الفرصتی کی شکایت کرتے نہیں سنا۔ آپؒ کب عبادت ریاضت فرماتے۔ کب مطالعہ فرماتے اور کب تصنیف و تالیف کے لئے وقت نکالتے خدا معلوم !! صاحب دیوان شاعر، مترجم اور متعدد کتب کے مصنف تھے، لیکن کبھی اپنے بارے میں کوئی تعلّی نہ فرمائی۔

؎ یہ سخن جو ہم نے رقم کیے،
سب ورق ہیں میری یاد میں۔

بہ شکلِ شیخ دیدم مصطفیٰؐ را۔ نہ دیدم مصطفیٰؐ را بل خدا را

از۔ رضی انصاری

اوائل عمری سے کسی بھی غلط کام کرنے سے تنبیہہ کی جاتی رہی کہ دیکھو "خدا تمہیں دیکھ رہا ہے"، اور ساتھ ہی کوئی تعریفی کام کرنے کے بعد یہی باور کیا جاتا رہا کہ "خدا تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ گویا بچپن ہی سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ کوئی بھی کام چاہے وہ سرِ عام یا چھپ کر کیا جائے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح اُس کا علم اُس ذاتِ پاک یعنی 'اللہ' کو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شعور کے ساتھ اس میں پختگی آتی گئی۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، اس کا علم اس ذات پاک کو ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہر عمل کو وہ دیکھ رہا ہے۔ کوئی بھی عمل جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو اور یہ سوچ لیں کہ وہ ہمارے ہر عمل سے باخبر ہے تو یقیناً ہم اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کے لئے خود مواقع فراہم کرتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اگر ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں بلا خوف و خطر ایک دوسرے کو دھوکہ دے رہے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمیں کوئی دیکھنے والا نہیں۔ مثلاً اشیائے صرف میں ملاوٹ وغیرہ جیسے جرائم میں سرگرمِ عمل ہیں یہ سوچ کر کہ ہمیں کوئی دیکھنے والا نہیں۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔

لیکن حالتِ نماز میں اگر کوئی سہو ہو جاتی ہے تو فوراً ہی سجدہ سہو کر لیتے ہیں حالانکہ اس غلطی یا بھول کا علم ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا یا رمضان المبارک میں بالخصوص روزہ کی حالت میں کوئی بھی چیز چھپ کر نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں کیونکہ یہ احساس غالب ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور وہ ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ فعل سے بخوبی واقف ہے۔

عموماً دنیاوی امور سرانجام دیتے وقت یہی تنبیہہ کی گئی کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن عبادت کرتے وقت خاص طور پر یہ کہا گیا اوّلاً، "اللہ کی عبادت اِس طرح کرو کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو"۔ دوئم ورنہ وہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ یعنی عبادت کرتے وقت بالخصوص نماز کی حالت میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت بندہ اللہ سے قریب تر ہوتا ہے چنانچہ نماز خشوع و خضوع سے ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔ "الصلوٰۃ معراج المومنین"، یعنی نماز مومن کی معراج ہے، کہا گیا۔ اس لیے پہلی شرط یہی رکھی کہ "تم اُسے دیکھ رہے ہو" ورنہ جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں کہا گیا "وہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے"۔ قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِید یعنی ہم تمہاری شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اللہ کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟ کس ہیئت میں، کس شکل میں دیکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ ذات ایک غیر مرئی حقیقت ہے جس کی یافت ممکن نہیں۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے کہ ہر شخص کے ظن کے مطابق ہوں یعنی جس شخص کے ذہن میں خداوندِ تعالیٰ کا جو تصور ہو گا وہ اسی کے مطابق اس کو نظر آئے گا۔

حدیث شریف ہے "مَن رآنی فقد راء الحق" یعنی آپ ﷺ کو دیکھنا خدا کو دیکھنا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" یعنی "آپ ﷺ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے"۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ "اِنَ الذّین یبایعونک اِنما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" یعنی "آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ یعنی وہ جو تمہاری

بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔'' اُس ذات پاک کو پانے کے لئے جو ذریعہ ہمیں بتایا وہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور حضور ﷺ تک پہنچنے کا ذریعہ مرشد کی ذات گرامی ہی ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی اور مرتبہ سے متعلق پیرومرشدؒ درج ذیل شعر کا حوالہ دیتے ہیں۔

محمد ﷺ بصورت عرب آمد　　بمعنی نگر عین رب آمدہ

(یعنی محمد ﷺ بہ ظاہر عرب کی صورت میں آئے لیکن حقیقتاً غور کرو تو عین رب آیا)

اِن حقائق پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں کہ ''محمد ﷺ'' نہ غیر حق ہیں نہ دیگر مخلوق کی طرح مخلوق۔ نہ خدا کے سامنے دوسری ہستی۔ بلکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی شانِ ظاہر ہیں اور ہر آن واصل بہ باطن بھی۔ چنانچہ براہِ راست دیدارِ الٰہی کا شرف حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے یقیناً کسی مستند ذریعے کو تلاش کرنا ہوگا جو منزل تک پہنچا سکے اور وہ ذریعہ مرشدِ کامل کی ذاتِ گرامی ہی ہو سکتی ہے اور 'مرشد' ایسا جسے دیکھ کر خدا یاد آئے۔ کسی بھی مرشد کامل کے سامنے اپنے زانو تہہ کرے۔ ان کی زیادہ سے زیادہ توجہ و شفقت حاصل کرے کیونکہ مرشدِ کامل خود بھی تمام مدارج طے کرتے ہوئے یعنی 'فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ' ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قربِ نوافل میں ہے کہ۔

''بندہ ہمیشہ مجھ سے قرب چاہتا ہے بذریعہ نوافل کے، یہاں تک کہ میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ اس مرتبہ میں بندہ فاعل اور اس کا آلہ ہوتا ہے''۔

(بحوالہ اسرارِ اسراء از مولانا مرشدنا حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ)

ہمیں چاہیئے کہ اپنے مرشد گرامی کی تعلیمات پر کاربند رہیں اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کریں جیسا کہ حضرت قبلہ سرکار عالیؒ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ ''بیعت'' کا مقصد دراصل خود کو مرشد کے سپرد کر دینا ہے یعنی خود کو فروخت کر دینا ہے۔ آپؒ نے اس کی بہت عمدہ مثال پیش کی وہ یہ کہ مرید کی مثال مرشد کے ہاتھوں ایسی ہوتی ہے جیسے غسال کے ہاتھوں مُردہ۔ مرشد کے احکامات کی بجا آوری، ان کی رضا میں اپنی رضا۔ اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب آپ کو اپنے مرشدِ گرامی سے سچا عشق و لگن ہو اور حد درجہ محبت ہو۔ ساتھ ہی حتی المقدور مقامِ مرشد کو سمجھنے کی صلاحیت ہو تب گوہرِ مقصود پا سکتے ہیں۔

اپنے مرشدِ گرامی حضرت قبلہ علیہ رحمتہ کے خلیفہ اَجل حضرت محمد علی رضا رحمتہ اللہ علیہ (یہ میرے ماموں صاحب اور ''پاپا'' سے معروف تھے) سے ایک قصہ سنا تھا اسے اس مضمون میں شامل کرنے کی سعادت چاہتا ہوں۔

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی ایک کنیز ہمہ وقت اس کی خدمت میں رہتی اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ بادشاہ کے احکامات بجالاتی۔ یہاں تک کہ بادشاہ اپنے دربار میں بھی اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

ایک دفعہ حسبِ معمول دربار سجا ہوا تھا۔ تمام وزراء و امراء موجود تھے اور کنیزِ خاص بادشاہ کے پشت پر کھڑی تھی کہ اچانک بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ اس وقت جو شخص جس چیز پر اپنا ہاتھ رکھ دے گا وہ اس کی ہو جائے گی۔ دربار میں

موجود ہر خاص و عام میں ہل چل مچ گئی۔ ہر شخص نے اپنی خواہش و پسند کے مطابق مختلف چیزوں پر ہاتھ رکھ دیئے تا کہ وہ ان کی ملکیت ہو جائے۔ بادشاہ نے اپنے پیچھے کھڑی کنیز کو آواز دی کہ جاؤ تم بھی کسی چیز پر ہاتھ رکھ دو تا کہ وہ تمہاری ملکیت ہو جائے۔ کنیز نے عاجزی سے اپنا ہاتھ بادشاہ کے شانہ پر رکھ دیا اور کہا: ''میں نے آپ کو پالیا تو سب کچھ پالیا'' نتیجہ یہ اخذ ہوگا کہ ذات کو پالینے کے بعد کسی چیز کی حاجت نہیں۔ بقول حضرت قبلہؒ کے

؎ کوئی حسرت اب نہیں مجھ کو، تجھے پانے کے بعد
اور باقی ہی رہا کیا تیرے مل جانے کے بعد

المختصر، مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں عبادت کرتے وقت اپنی تمام تر توجہ اور خیال اس ذات پاک کی طرف مرکوز رکھنا چاہئے جو صحیح عبادت کا تقاضہ ہے۔ عبادت فرائض وسنت ہوں یا نوافل۔ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اس کا ذکر کرتے وقت یہ تصور رہے کہ ہم اس ذات کا دیدار کر رہے ہیں اور اسی صورت اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی عبادت کرتے وقت اپنے وجود کی نفی کرنا۔ ہر سمت و ہر جا اسی کا جلوہ دیکھنا، اسی کو دیکھنا یہی عبادت کا مفہوم ہے۔

آخر میں حضرت مولانا رومؒ کے ایک شعر کا حوالہ دینے کی جسارت کر رہا ہوں:۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　گو نشیند در حضور اولیاء

(جو چاہتا ہے کہ خدا کے ساتھ بیٹھے اس کو چاہئے اولیاء کے حضور بیٹھے)

آئینۂ جمالِ حق

از۔ توصیف انصاری

''حُسنِ حقیقی کو دیکھنے کے لیئے آئینۂ مجاز درکار ہے''، یہ جملۂ معترضہ ہے کہ نہیں، اس سے غرض نہیں بلکہ اس جملے کو بھی شاید کسی ایسے آئینے کی ضرورت ہے، جو اس کی خوبصورتی اور نکھار کو بیدار نگاہوں میں اُجاگر کر سکے، انسان نے اپنے حواسِ خمسہ میں سے سب سے زیادہ استعمال بصارت کا کیا ہے۔ سوتے ہُوئے جبکہ شاید باقی تمام حواس آرام فرما رہے ہوتے ہیں، انسان خواب بھی ''دیکھ'' رہا ہوتا ہے۔ اس دیکھنے کو کمال تک پہنچانے میں انسانی خواہش کارفرما ہوتی ہے کہ وہ اس غیر مرئی حقیقت کو بھی دیکھ سکے جس کو اِسے ''خالق'' کی حیثیت سے بچپن سے متعارف کروایا جاتا ہے، اس کا ذہن اس بات کو قبول کر چُکا ہوتا ہے کہ وہ خالق ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کی آنکھیں اُسی حقیقت کی متلاشی ہوتی ہیں۔ یہ طلب بڑھ کر باقی حواس کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ سماعت کے کان بھی اُس صوتِ سرمدی کو ڈھونڈتے ہیں جس کی کئی تماثیل وہ سُن چُکا ہوتا ہے۔ اُس ذات کو چُھونے اور پکڑنے کے لئے اس کے ہاتھ بے تاب ہوتے ہیں، جس کو پکڑ کر اور جس کے قدموں میں سر رکھ کر وہ اپنے عشق کی پیاس بُجھا سکے۔ لیکن سائنس اور عقل کی طنابیں حدود و قیود کی سلاسل میں پابند کر دیتی ہیں اور وہ اس غیر مرئی اور بعید از تجسیم حقیقت کے لئے تشنگی کی سیڑھیاں چڑھتا ہُوا ابھٹک سا جاتا ہے اور پُکار اُٹھتا ہے کہ،

اِمروز نہ دیدی تو اگر رُوئے صنم را

سر تا پا قیامت رُخِ جاناں چہ شناسید

(اگر آج چہرۂ یار کا دیدار نہ ہُوا، تو اس سر سے پیر تک قیامت کے چہرہ کا علم نہیں ہو سکے گا۔)

اس کشمکش کو دیکھ کر اُس ذاتِ رحمٰن و رحیم کا کرم جوش مارتا ہے اور وہ اپنی ایک تجلّی میں ایسی کشش پیدا کر دیتا ہے کہ انسان اُس مقناطیسی شخصیت کی طرف کھِنچا چلا جاتا ہے۔ اِس کے حواسِ خمسہ کو ایسا سہارا مل جاتا ہے جو اِنہی حواسِ خمسہ سے ماورا کر دیتا ہے۔ یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جو پانی کو آگ سے الگ رکھتی ہے لیکن اس آگ کی حرارت کو اُس پانی میں منتقل کر دیتی ہے۔ اِسی کو ہم 'مرشد' کہتے ہیں۔ مرشد خُود واصل بحق ہوتا ہے، لیکن جہتِ شخصی میں انسانوں کو عشق کی منازل طے کرواتے ہُوئے نہ صرف اِن کی روحانی بالیدگی اور تربیت کرتا ہے بلکہ ان کے حواسِ خمسہ کی تسکین کا سبب بھی وہی ہوتا ہے۔ اِسی لیئے فنا فی اللہ کی طرف گامزن لوگوں کی پہلی منزل فنا فی الشیخ ہوتی ہے۔

شیخ عشق کو تکمیل کی راہ دکھاتا ہے، اور پہلی منزل کی طرف پہنچتے ہُوئے لوگوں کو مبتلائے عشق کر دیتا ہے۔ شیخ سے عشق اِرادتمندوں کی سماعت، بصارت، گویائی اور باقی احساسات کو ایک مَنارہ کی طرح سہارا دیتا ہے۔ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور محبوب کی دید اِن کی بصارت کی اُس تشنگی کو دُور کر دیتی ہے جس نے اس سفرِ عشق کی طرف اس کو مائل کیا تھا۔

مرید اپنے مرشد کو دیکھ کر کھل اُٹھتا ہے۔ اُس کی آواز سُننے کے لیئے گھنٹوں خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی آواز اگر نکلتی بھی ہے تو کلماتِ عشق کی ادائیگی کے لیئے۔ اس کو وہ پائے ناز مِل جاتا ہے جہاں وہ اپنی جبینِ نیاز رکھ کر دنیا کی تمام زنجیروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے

؎ میں کیا تھا مجھے کیا بنا دیا تُو نے
کرم کیا مجھے اپنا بنا لیا تُو نے

عشق محور کا متلاشی ہوتا ہے۔ ایک ایسے محبوب کا محور جو کامِل ہو۔ شیخ ایسا ہی ایک محور عطا کرتا ہے جو عاشق کو روحانی مدارج طے کرواتا ہُوا لطافت کی اُن منزلوں پر لے جاتا ہے جس کے لیئے کثافت سے مُبرّا عشق جیسے لطیف جذبے کی سیڑھی ضروری ہوتی ہے۔ وہ شیخ جو حق آگاہ اور عارف باللہ ہو، اس ذات کی تجلّی کا وہ رُوپ ہوتا ہے جو جہتِ شخصی میں بھی کامِل ہوتا ہے اور مُرید کو اُس شیخ کی حقیقت اُس کی ظاہری تجسیم سے بھی جھلکتی ہُوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہی وہ عشق ہے جو مَن و تو کے پردے اُٹھاتا چلا جاتا ہے۔ سالک کو فنافی الشیخ کی منزل سے مابعد لے جانے کے لیئے بالآخر عشق کا پردہ بھی ہٹا دیا جاتا ہے اور کامِل شیخ ان ناگفتنی منازل کی طرف لیئے جاتا ہے جہاں عاشق کو ماورائے حواسِ خمسہ تجربات اور مشاہدات کا سامنا ہوتا ہے۔ پس وہ سفر کے آغاز میں جن تجلّیات کو لباسِ یار میں دیکھ کر عشق کی آبیاری کرتا تھا وہ اب بقول مولانا رُومیؒ:

ہر لحظہ بہ شکلِ آں بُتِ عیّار برآمد ؛ دل بُرد نہاں شُد
ہر دم بہ لباسِ دیگراں یار برآمد ؛ گہہ پیر و جواں شُد۔

(ہر جہت سے وہ صنم عیاں ہے، جو دل لے کے چھپ گیا۔ ہر لحہ کسی نہ کسی لباس میں وہ یار عیاں ہے، چاہے بزرگ ہو یا جواں ہو۔)

دُنیا سے کیا غرض! میری دُنیا آپ ہیں

از۔ فجستہ احسن

کیا میرے حضرتؒ کی خوب صورت شان مبارک ہے!!

یہ سبک گامی، یہ آہستہ خرام　　دھیرے دھیرے جیسے پڑتی ہو پھوار
دھیما دھیما سادہ طرز گفتگو　　جیسے مدھم سر میں بجتا ہو ستار
کان میں رس گھولتی آواز وہ　　دُور سے جیسے صدائے آبشار!

اپنے حضرتؒ کے خوب صورت اشعارانؒ کی حسین شخصیت کی عکاسی کر رہے ہیں! مجھے فرصت کے لمحات ملتے ہیں تو میرا ذہن اس دور میں پہنچ جاتا ہے جب ان کے دولت کدے پر میں حاضر ہوتی تھی، آنکھوں کے سامنے وہ سب مناظر آجاتے ہیں۔۔۔ حضرت کا فوراً ہی اپنے کمرے سے باہر تشریف لانا، ایک خوبصورت دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ نہایت پیار سے گلے لگانا، آپ کے سینے مبارک سے اٹھتی ہوئی وہ مسحور کن خوشبو۔۔۔! میرا دست بوسی کرنا، آپ کا تشریف فرما ہونا، میرا ان کی قدم بوسی کرنا، اور ان کا وہی اپنے مخصوص انداز میں مجھے اپنے قریب بٹھانا اور محو گفتگو ہو جانا اور پھر میں اور دوسرے سب اپنے حضرتؒ کے مبارک قدموں میں بیٹھے ہیں اور وہ نہایت شفقت سے اپنے مبارک ہاتھ سر پر رکھ رہے ہیں! اسی عالم کیف میں میں دنیا اور آخرت کے مزے لیتی رہتی ہوں! یہی خواہش ہے میرے دل کی کہ حضرتؒ اسی شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھیں۔۔اور مجھے کیا چاہیے۔۔۔؟ دل سے بے اختیار یہ آواز آنے لگتی ہے،

'آپؒ کو پا کے مل گئے مجھے دونوں عالم
۔۔آپؒ نے اپنا بنا کر یہ عنایت کی ہے!!'

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام !!!

از۔ شیزا عاصم میرزا

بات شروع ہوتی ہے ایک 'نقطہ' سے، اور پھر لامحدود کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح 'مرکز' ہو یا 'محور' نقطۂ آغاز تو ہوتا ہی ہے۔

عشق کے راستے میں کمال یہی ہے کہ قدم بڑھایا تو 'مرکز' کی کشش اس سفرِ لا متناہی پہ رواں دواں کر دیتی ہے۔ بحیثیتِ ایک طالب، ہمیشہ ایک بات جو مشاہدے میں آئی کہ 'خیال' کو 'حقیقت' کے سامنے پیش کیا، تو حقیقت نے رنگ بھر کر جو اس کی تکمیل کی، تو خیال کو ہی لازوال کر دیا۔

یہی تجربہ، مشاہدہ یا ظاہری احساس حضرت پیر و مرشدؒ کے ظاہری طور پر پردہ فرمانے کے بعد آپؒ کے اعراس کی تیاریوں کے سلسلہ میں بھی ہُوا۔ پہلے عُرس سے لے کر اب آپؒ کا پانچواں عُرس ہونے جا رہا ہے، سب میں یہی دیکھا کہ ہر سال ایک نئی شان کے ساتھ آپؒ نے اپنے جمال کا اظہار کیا۔ ابتدائی مراحل سے لے کے اختتام تک :

؎ آپ ہی کا حُسن ہے چاروں طرف
سارا عالَم آپ ہی کے خدّ و خال۔

مجھے یاد ہے جب حضرت پیر و مرشدؒ 'توحید۔ وحدت الوجود کے تناظر میں' تحریر فرما رہے تھے تو ایک دن آپؒ کمرے سے باہر تشریف لائے اور آپؒ نے اس کتاب کا ایک باب '' تجدّدِ امثال'' مجھے پڑھنے کو دیا اور آپؒ بھی سامنے ہی بیٹھ گئے۔ جب میں نے اُسے دو بار پڑھ لیا تو آپؒ نے فرمایا'' کچھ سمجھ میں آیا ؟'' میں نے جواب دیا' کچھ کچھ!' آپؒ نے فرمایا'' آجائے گا''۔ اور آپؒ مسکراتے ہُوئے واپس کمرے میں تشریف لے گئے۔ اور پھر حقیقتاً وقت نے کچھ حد تک تو اس کے رمُوز سے آگاہ کرا ہی دیا۔ اس کتاب کے اسی باب میں آپؒ فرماتے ہیں:

'' چراغ کی لو کو دیکھیں، اس کا شعلہ مخروطی شکل کا ہوتا ہے جو تیل سے روشن رہتا ہے۔ شعلہ ایک جگہ قائم نظر آتا ہے۔ اس شعلے کو روشن رکھنے والا تیل مسلسل اس تک پہنچ کر اس کو تابندہ رکھتا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو وہ شعلہ ہر آن فنا ہوتا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔''

اور بلاشُبہ یہ شعلہ تجلّی بن کر تمام سالکین کے دلوں کو منوّر کر دیتا ہے اور جیسا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ'' جب متجلّی کی کوئی حد نہیں تو تجلّیات کی کیا حد ہو سکتی ہے۔'' جمالِ یار، جمالِ حق کا عکس ہوتا ہے، بس دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ عشق کی اس معرفت کو سمجھنے کے لیئے الفاظ یا کُتب کی ضرورت نہیں کیونکہ چاہے وہ ہمارے روز مرّہ کے معمولات ہوں یا سلسلے سے جُڑے معاملات، اُس جمال کا اظہار اک نئی آن اور شان سے ہوتا رہا ہے اور یہی '' جمالِ یار'' اس انجمنِ عاشقان کو اپنے ''شعلہ'' سے تابندہ کیے ہوئے ہے۔

؎ کس طرح کیفؔ کو پہچان سکے گا کوئی اُس کو جب دیکھو نئے رُوپ ہی میں پاؤ گے۔

میری منزل۔۔۔۔۔حضرت اختیار حسینؓ۔

سلیم اختیاری، جبلپور (بھارت)

دنیا میں طرح طرح کے انسان ہیں کچھ لوگ دنیاوی عیش ونشاط کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ کچھ جاہ وحکومت کے متمنی ہوتے ہیں تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مال ودولت کو حاصل کائنات سمجھتے ہیں۔ آج کے اس مادّی دور میں دنیاوی عزت وشہرت کے لیے لوگ سخت جدوجہد کرتے ہیں اور کچھ لوگ اسے پا بھی لیتے ہیں ،لیکن انہی انسانوں میں آج بھی ایسے اولعزم دیوانے ہیں جن کی منزل صرف اللہ ہی ہے، وہ اللہ کو پانا چاہتے ہیں۔ مثل مشہور ہے دنیا مردود ہے اور اسکا طلب کرنے والا کتا آخرت میں جنّت کی نعمتوں کا طلبگار بچہ ہے اور مولا یعنی اللہ کو طلب کرنے والا مرد کامل ہے۔ ایسے کامل الایمان لوگوں کے لیے سلسلہ آغائیہ نیازیہ کے مشہور بزرگ حق آگاہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ ایسا مینا رۂ نور ہیں جسکی روشنی میں حق کے متلاشی کامیاب وکامران اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ خود آپؒ نے اپنے شعر میں اسکا اظہار کیا ہے۔

؎ چھوڑتے آئے ہیں ہم پیچھے نشانات قدم راہ دنیا کو یوں منزل کی دکھادی ہم نے

مرشد کامل کے بغیر کوئی بھی انسان کامل نہیں ہوسکتا۔ اسکے لیے بیعت لازمی ہے۔ پیری مریدی کا مقصد اللہ کو پانا ہے۔ مرید ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ اللہ کو پالیں جیسا کہ ہمارے جدّ طریقت مولانا ومرشدنا حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے فرمایا، ''جب تک ارادہ نہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔'' مرید کے معنی ہوتے ہیں ارادہ کرنے والا، یعنی مرید ہونے ہونے والے شخص نے اللہ کو پانے کا ارادہ کرلیا۔ مرید اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مراد یعنی جو پانا چاہتے ہیں اور مرید کی مراد اللہ ہے۔ حضرت صاحبؒ نے ایک مرتبہ جبلپور میں فرمایا، ''اللہ کو پانے کا پورا کورس ہے۔ اللہ کے راستے پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں اور اس پورے عمل کو یعنی جو محنت ومجاہدہ کیا جاتا ہے اسے سلوک کہتے ہیں۔ لوگ مرید ہوجاتے ہیں اور کچھ کرتے دھرتے نہیں۔ جو بتایا جاتا ہے اس پر عمل نہیں کرتے۔ دنیاوی کاموں میں سے کچھ وقت مرشد کی تعلیمات کے مطابق بتائے ہوئے شغا ل پر عمل کرنا چاہیے۔'' حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے فرمایا، ''مشہور ہے کہ علم بے عمل فائدہ نہیں دیتا۔ پس بے ریاضت کچھ نہیں ہوسکتا۔ عارف کی صحبت وعنایت عارف ضرور بنادیتی ہے۔ مگر مقصود جب ہی ملے گا جب ریاضت ہوگی۔'' ہمارے پیرو مرشد حق آگاہ عارف باللہ حضرت مولانا ومرشدنا نے اسکی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ، ''کوئی شخص اگر یہ سوچے کہ ہم ایسے ہی اللہ کو پالیں گے تو یہ اسکی خام خیالی ہے۔''

ہمارے پیرومرشد حق آگاہ عارف باللہ قبلہ وکعبہ حضرت اختیار حسین کیفؔ نیازیؒ فرماتے تھے تصور شیخ عبادت ہے۔ جب کوئی مرید صدق دل سے اپنے پیرومرشد کو یاد کرتا ہے تو مرشد قبلہ اسکے سامنے اسکے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ بقول ہمارے دادا

پیر مولانا و مرشدنا سلطان العارفین حضرت قبلہ ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ، ''ای طالباں ای طالباں من باشما ہر جاستم، یعنی اے طلب کرنے والو۔ اے طلب کرنے والو۔ میں تمہارے ساتھ ہر جگہ ہوں۔'' ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے، ''یاد کرنے والے کے ساتھ رہنا اس مسلک کا جزو ہے۔ میں اپنے مریدوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی۔'' پس جب جب ہم آپؒ کو یاد کرتے ہیں تو آپؒ ہمارے ساتھ ہیں۔ جو بات پہلے تھی وہی اب بھی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ لفافہ بدل گیا ہے مضمون وہی ہے۔ آپؒ کا فیض جیسا آپؒ کی حیات میں تھا ویسا ہی آپؒ کے وصال کے بعد بھی جاری وساری ہے، جیسا کہ محبوب یزدانی حضرت رومی میاں سلمہٗ تعالیٰ نے فرمایا:

نہ کوئی خوف ، نہ منزل کی جستجو باقی کہ میر کارواں اپنا ہیں اختیار حسینؒ

خوف دنیا کی دولت کے چلے جانے کا ہوتا ہے۔ حبّ اللہ ایسی دولت ہے جس کے چلے جانے کا کوئی خوف نہیں۔ جس دل میں اللہ رہتا ہے اس میں دنیا نہیں رہتی اور جب دنیا ہی نہیں تو خوف کیسا! جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں اللہ انھیں اپنا دوست بنالیتا ہے۔ جسے اللہ کی محبت مل گئی اسے اللہ مل گیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا فرمان ہے، الا انّ اولیاء اللہ لا خوف ''علیھم ولاھم یحزنون، یعنی اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی رنج وغم۔ ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے اللہ کے برگزیدہ ولی حق آگاہ عارف باللہ حضرت اختیار حسین، کیفؔ نیازیؒ کو اپنا سردار، اپنا پیشوا، اپنا ہادی، اپنا رہبر بنالیا ہے جس کی وجہ سے اللہ کی محبت ہمارے دل میں رچ بس گئی ہے اور ہم بے خوف وخطر سفر سلوک طے کر رہے ہیں۔ (یہ شعر مریدوں کو سمجھانے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ہے ورنہ حضور رومی میاں سلمہٗ تعالیٰ عین حضرت اختیار حسینؒ ہیں۔)

حضرت اختیار حسینؒ عین نور ذات ہیں یہ ہمارا خیال نہیں ہے بلکہ خود اللہ فرماتا ہے اللہ نور السمٰوات والارض یعنی اللہ زمین آسمان کا نور ہے۔ حدیث پاک انا من نور اللہ وخلق کلھم من النوری یعنی میں (حضور محمد ﷺ) اللہ کے نور سے ہوں اور میرے نور سے کل کائنات خلق کی گئی ہے پھر حضرت اختیار حسینؒ اس سے علاحدہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حدیث قرب نوافل بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ایک انسان جب اللہ کی محبت میں اپنے وجود کو مٹا دیتا ہے وہ پھر عین اللہ ہو جاتا ہے۔ خود آپؒ نے کا یہ شعر اس کی صداقت کا گواہ ہے:

چھپ گیا خود مجھے آئینہ بنا کر اپنا میری صورت میں نظر آتا ہے چہرہ تیرا

بہت سے بزرگوں نے اس قسم کے اشعار کہے ہیں۔ ہم یہاں صرف حضور قبلہ نیاز بے نیازؒ کی غزل جس کا مطلع ہے:

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا کہیں ظاہر کہیں چھپا دیکھا

اور اسی غزل کا مقطع بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔ ع

کہیں عاشق نیاز کی صورت سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

ہم اپنے قائد، اپنے پیشوا، اپنے رہبر، اپنے محبوب، اپنے آقا و مولا پیر و مرشد حق آگاہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین، کیفؔ نیازیؒ کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں اپنی مریدی کے شرف سے نوازا اور اپنی محبّت عطا فرمائی۔ محبّت ایسا عمل ہے جس میں جبر کا عنصر شامل نہیں۔ یہ تو محبوب کی عطا ہے جسے چاہے اپنا بنالے، ورنہ ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ بقول شخصے، کہاں وہ عرش مقام کہاں میں خاک نشیں!

ہے یہ کیفؔ میری دلی دعا، ترا حسن تا ابد رہے کہ جیوں تو تجھکو ہی دیکھ کر مروں سامنے خدا کرے۔

مضمون، میری منزل۔۔۔۔۔ دو صفحات پر مشتمل، ختم شد۔

حضرت صاحبؒ ۔ایک روشن ضمیر بزرگ۔

سلیم اختیاری

ہمارے پیرومرشد حق آگاہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر شاہ میرزا اختیار حسین، کیفؔ، نیازیؔ روشن ضمیر تھے۔ آپؒ محفل میں موجود ہر کسی کی دلی کیفیت سے واقف رہتے تھے۔ کسی سال کا واقعہ ہے، سن یاد نہیں، اس سال حضرت صاحبؒ اکیلے انڈیا تشریف لائے تھے۔ جمعرات کی فاتحہ تھی اور سماع کا بھی اہتمام تھا۔ بعد نماز عصر پروگرام ہونا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد آپؒ نے فاتحہ کا حکم فرمایا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ آج حضرت صاحبؒ خلاف دستور سماع سے قبل فاتحہ کروا رہے ہیں۔ فاتحہ شروع ہوئی۔ حضرت صاحبؒ کی محفل میں کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی، سبھی پڑھنے والوں کو پنج آیت پڑھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اس دن محفل پر سکوت طاری تھا۔ آپؒ نے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس دن عام طور سے جو لوگ پڑھتے تھے ان میں سے کسی نے از خود نہیں پڑھا۔ ایک صاحب جو بالکل نئے تھے، کسی نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ادھیڑ عمر کے لگتے تھے، خاصی گھنی ڈاڑھی تھی، ڈاڑھی کے کچھ کچھ بال سفید تھے، سر پر پٹا لگائے ہوئے تھے۔ انھوں نے صحیح اعراب کے ساتھ خوش الحانی سے پنج آیت پڑھی اور پھر فاتحہ ہوئی۔

فاتحہ کے فوراً بعد انھوں نے حضرت صاحبؒ کی دست بوسی کی، اجازت لی اور چلے گئے۔ دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ وہ باہر سے آئے ہوئے ہیں، ان کی گاڑی کا وقت ہو گیا ہے اور وہ جا رہے ہیں۔ ان سے اسی وجہ سے کوئی تفصیلی بات نہیں ہو سکی۔ اسکے بعد سماع شروع ہوا۔ سماع کے بعد حضرت صاحبؒ نے فرمایا، ''قرآن شریف تو سبھی پڑھتے ہیں، لیکن قاری کے قرآن شریف پڑھنے کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔''

مذکورہ واقعے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت صاحبؒ اپنی محفل میں موجود ہر شخص کی دلی خواہشات و کیفیات سے واقف رہتے تھے۔ وہ صاحب اسی ارادے سے آئے تھے کہ حضرت صاحبؒ کی محفل میں پنج آیت پڑھنے کا موقع مل جائے اور ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا، اسی لیے حضرت صاحبؒ نے انکی پرخلوص دلی خواہش کے مدنظر فاتحہ پہلے کر لی اور سماع بعد میں کروایا۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت صاحبؒ کا فیض ہر خاص و عام کے لیے یکساں تھا اور ہے، نہ صرف یہ بلکہ دربارِ اختیاریہ سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ ان کا فیض جیسا ان کی حیاتِ ظاہری میں تھا ویسا ہی اب بھی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مبداءِ فیض صاحبِ سجادہ کی ذات ہے۔

ہمارے مرشدؒ کے بارے میں ایک پیر صاحب کی رائے

از۔ متین اختیاری

۲۰۰۸ء کا واقعہ ہے، میرے بھانجے کا نکاح تھا۔لڑکی کے خالو میرے دوست تھے، وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے، ''یہاں پر تُم ہی صاحبِ سلسلہ ہو، تم میرے پیر صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔'' وہ مجھے لے کر اپنے پیر صاحب کے پاس پہنچے۔ میرا تعارف کرانے کے بعد وہ اپنے کام کی غرض سے وہاں سے چلے گئے۔ میں اُن پیر صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد اُنہوں نے مجھ سے ہمارے سرکارؒ کا نام پوچھا، میں نے 'حضرت قبلہ ڈاکٹر اختیار حسین میرزا' بتادیا۔ وہ سُن کے خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر بعد پھر نام پوچھا، میں نے اپنا جواب دہرادیا، وہ پھر خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر بعد پھر نام پوچھا، میں نے وہی جواب دیا، وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ وقفے کے بعد خود ہی فرمایا '' کیف تو نہیں ہے؟ '' میں نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر بتانے لگے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ کئی مرتبہ سرکار کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ پھر مزید بتایا کہ سرکار کی لکھی ہوئی سب کتابیں ان کے پاس ہیں بلکہ اُن کی بڑی خانقاہ، کلکتہ، انڈیا میں ہے، وہاں کی لائبریری میں کتابوں کے سیٹ بھی موجود ہیں۔ پھر ہمارے سرکارؒ کا نام لے کر فرمانے لگے ''اِس وقت یہ اتنے بڑے بزرگ ہیں کہ اگر زندگی میں ایک مرتبہ اُن کی زیارت ہو جائے تو بہت بڑی بات ہے!!''

عیادت وعمرہ

از۔ متین اختیاری

عاصم بھیا کے پیر کے آپریشن کے سلسلے میں سرکارؒ نے امریکہ کے ایک سرجن سے ڈاکٹر سے خط و کتابت شروع کی جس کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ عاصم بھیا کو بیرون ملک آپریشن کے لئے جانا ہوگا۔ لہذا سرکارؒ نے وزارت صحت کو استعفٰی بھجوادیا۔ منطقہ شرقیہ کا ہیڈ آفس دمام میں تھا۔ ایک دن اقبال بھائی کا فون آیا کہ میاں کو (ان دنوں سرکار کی بجائے میاں کہا کرتے تھے) بس میں بٹھا دیا ہے۔ میں فوراً دمام بس اسٹاپ پہنچا۔ سرکارؒ کو ان کے ہیڈ آفس پہنچایا۔ میری یونیورسٹی میں ڈیوٹی کے دوران یونیورسٹی سے باہر جانے اور آنے پر وقت لکھا جاتا تھا میں نے راستے میں عرض کردیا سرکارؒ نے فرمایا کہ تم نہیں آیا کرو۔ خیر ہیڈ آفس سے کام کے بعد اپنے گھر لے گیا کھانے کے بعد سرکارؒ آرام فرمانے لگے۔ میں اپنے آفس چلا گیا۔ شام کو آفس سے واپسی پر چائے پیش کی، بعد میں بس اسٹاپ پر چھوڑ کر آ گیا۔ چار پانچ دن کے بعد اقبال بھائی کا فون آیا کہ سرکارؒ کو بس میں بٹھا دیا ہے مگر یہ نہ بتانا کہ میں نے بتایا ہے، اب تم جانو۔ میں نے بس اسٹاپ پہنچ کر ایسی جگہ گاڑی کھڑی کی کہ بس آئے تو اس کا گیٹ نظر آئے اور خود اگلی سیٹ پر تقریباً لیٹ گیا۔ بس چہرے کا تھوڑا حصہ اوپر رکھا کہ بس آئے تو نظر آتی۔ سرکارؒ بس سے اتر کر سیدھے گاڑی کی طرف تشریف لائے میں نے گاڑی سے اتر کر قدبوسی کی، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ''اقبال نے بتادیا!'' خیر اسی طرح پانچویں چکر میں آپؒ کا DG چھٹی پر چلا گیا اور جو وقتی طور پر DG آیا وہ سرکارؒ کے ساتھ الصفوف میں کام کر چکا تھا۔ سرکارؒ کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور استفسار کیا، آپؒ نے سارا قصہ بتادیا اس نے کہا 'نہیں آپ استعفٰی واپس لیں، جتنی چھٹی چاہئے میں دونگا'۔ اسی وقت ایک سلپ پر عربی میں لکھا، آپؒ کی فائل کے ساتھ لگا کر دیا۔ آپؒ ڈسپیچ کلرک کے پاس آئے اس کو فائل دی۔ اس نے پرچہ پڑھ کر تعجب سے کئی مرتبہ کبھی فائل کو کبھی سرکارؒ کو دیکھا پھر کہا 'ڈاکٹر یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ آپ کا استعفٰی منظور ہو چکا ہے اور Account بھی بند ہو چکا ہے۔' یہ کہہ کر فائل سرکارؒ کو واپس کردی۔ سرکارؒ نے فائل اس کی ٹیبل میں واپس رکھ دی اور عربی میں فرمایا، ''تمہیں نہیں معلوم یہ کیسے ہوگا''۔ باہر نکل کر مجھ سے فرمایا 'چلو'۔ کچھ دنوں کے بعد قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ سرکار مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا سرکار نے فرمایا، ''استعفٰی واپس ہو گیا ہے ڈیوٹی بھی جوائن کرلی ہے۔'' یہ واقعہ میں نے ایک لیڈی ڈاکٹر کو بتایا جو وزارت صحت میں تھیں اور میری رشتہ کی سالی ہوتی ہیں، ان کو یقین نہیں آیا، انہوں نے کافی دیر کے بعد کہا اگر ایسا ہوا ہے تو وزارت صحت میں پہلا اور انوکھا واقعہ ہے۔ کچھ عرصے بعد امریکہ سے ڈاکٹر کا خط آیا کہ اب آنے کی ضرورت نہیں ہے وہ خود الریاض کے بڑے سرکاری اسپتال میں آرہا ہے۔ اس کے آنے کے بعد عاصم بھیا کو کراچی سے سعودی عرب بلانے کا مرحلہ آیا۔ آپ کا نام بیگم صاحبہؒ کے پاسپورٹ میں تھا لہذا جا نہیں سکتے تھے، پھر بچے کو مستقل ویزا بھی نہیں دیا جاتا ہے جب تک اس کی ماں نہ ہو۔ خیر کسی طرح نسیم صاحب نے وزٹ ویزا لگوادیا (نسیم صاحب سرکارؒ کے بھانجے ہیں) اس طرح بھیا سعودی عرب پہنچ گئے، مگر وہاں پتہ چلا وزٹ ویزے پر کسی بھی طرح کی سہولت نہیں دی جاتی ہے۔ سرکارؒ نے وزیر داخلہ کو خط تحریر فرمایا، اُس نے منظوری دے دی

اور بھیا کا اقامہ لگ گیا۔ یہ بھی وزارت داخلہ میں پہلا اور انوکھا واقعہ ہے کیونکہ وزٹ ویزے والے کو مستقل ویزہ مل بھی جائے تو اس کو اپنے ملک آ کر وہاں سے ویزا لگوا کر واپس جانا پڑتا ہے۔ یہ میرے مشاہدہ میں ہے کیونکہ میں کئی سال سعودی عرب میں نوکری کر چکا ہوں۔ آخر میں 'غیر سعودیوں' کو وہاں آپریشن کے لئے بادشاہ کی اجازت ضروری ہوتی ہے کیونکہ وہ سعودی عرب کے بڑے اسپتالوں میں شمار ہوتا ہے۔ سرکارؒ نے بادشاہ کو خط تحریر فرمایا اور بادشاہ نے بھی اجازت مرحمت فرمادی، یہ بھی انوکھی اجازت تھی۔

ماہِ صیام، سعودی عرب، الریاض میں عاصم بھیا حضور کا آپریشن ہو چکا تھا۔ آپ ریاض میں جمال صاحب (یہ سرکار کے بھانجے داماد ہیں) کے گھر میں آرام کی غرض سے تشریف فرما تھے اور اقبال بھائی آپ کی خدمت میں ساتھ تھے۔ اقبال بھائی آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ میں عیادت کی غرض سے معہ فیملی پہلے سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا ارادہ بھیا حضور کی عیادت کے بعد عمرہ پر جانا تھا، میں نے سرکارؒ سے عرض کر دیا کہ میں عمرہ پر بھی جاؤنگا اور وہاں سے مدینہ منورہ سمیع بھائی کے گھر پر رکوں گا۔ سرکارؒ نے فرمایا، 'تم چلو میں بھی آتا ہوں'۔ الھفوف سے نکل کر میں ریاض پہنچا اور سیدھے بھیا حضور جہاں آرام فرما تھے اس گھر میں پہنچا، مگر تعجب یہ تھا کہ ریاض جیسے شہر میں، مَیں اتنی جلدی کیسے پہنچ گیا اور مجھے وہاں پہنچنے میں کوئی پریشانی بھی نہیں ہوئی۔ بہرحال بھیا حضور کی خدمت میں ایک گھنٹہ بیٹھا اور پھر عمرہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ سمیع بھائی کے گھر پہنچ گیا۔ دوسرے دن سمیع بھائی کی نائٹ ڈیوٹی تھی انہوں نے رات 8 بجے فون پر اطلاع دی کہ سرکارؒ تشریف لا رہے ہیں تم ائیر پورٹ آجاؤ۔ میں فوراً ایئر پورٹ پہنچا، جیسے ہی ہم ایئر پورٹ میں داخل ہوئے سرکارؒ سامنے سے تشریف لا رہے تھے۔ ہم نے دست بوسی کی۔ ایئر پورٹ سے نکل کر سرکارؒ نے فرمایا، ''ہماری تو حاضری ہوگئی''۔ (یہ بھی تعلیم تھی کہ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی حاضری ہو جاتی ہے)۔ دوسرے دن تین بجے آپؒ نے فرمایا کہ 'عمرہ کی تیاری کرو، عمرہ پر جانا ہے'۔ میری بیگم اور بھابی نے جلدی جلدی افطاری تیار کی، اس دوران ہم نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر احرام وغیرہ باندھ لیا تھا۔ ہم مکہ کے لئے روانہ ہوئے، راستے میں افطار کا وقت قریب آیا، آپؒ نے ایک پمپ پر گاڑی روکنے کا فرمایا، ایسی جگہ گاڑی رکوائی جہاں لوگ کم تھے۔ افطار کے بعد مغرب کی نماز سرکارؒ کی امامت میں، مَیں نے اور سمیع بھائی نے ادا کی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر کے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ طواف شروع کیا، تیسرے چکر میں سرکارؒ نے روک کر فرمایا، ''جو بتایا گیا ہے ویسا ہی کر رہے ہو''، ہم نے اثبات میں جواب دیا اور طواف شروع کر دیا۔ چھٹے چکر میں تھے کہ عید کے چاند کا اعلان ہو گیا کہ چاند ہو گیا ہے اس وقت رات کے تقریباً ایک بج رہا تھا۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ 'مدینہ منورہ میں عید کی نماز ادا کرنی ہے'۔ عمرہ کی تکمیل کے بعد جب گاڑی میں بیٹھ کر سڑک پر آئے، سڑکوں پر گاڑیوں کا اژدھام تھا کیونکہ وہاں کی روایت ہے کہ ہر خوشی کے موقعہ پر نوجوان گاڑیاں نکال کر سڑکوں پر ہارن بجاتے ہوئے شور مچاتے ہوئے سڑکوں پر گشت شروع کر دیتے ہیں۔ خیر کسی طرح وہاں سے نکل کر مدینہ منورہ ہائی وے کی راہ ملی۔ گاڑی چلاتے ہوئے ۲۰۰ کلومیٹر پر سرکارؒ نے فرمایا، ''کیا چائے نہیں پیو گے؟'' میں نے عرض کیا کہ آگے پیٹرول پمپ آرہا ہے وہاں سے پیٹرول بھی بھروانا ہے۔ پیٹرول پمپ پر پیٹرول بھرواتے ہوئے میں نے سمیع بھائی سے کہا جب تک

چائے بنوائیں۔ پیٹرول بھروا کر ہوٹل سے چائے لی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے سفر شروع کر دیا۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ ''چائے تو پی لو''۔ میں نے عرض کیا کہ میری عادت ہے چلتی گاڑی میں چائے پی لیتا ہوں۔ مدینہ جب پہنچے تو ایک رکعت چھوٹ گئی تھی ۔میں اس سے پہلے بھی مکہ مدینہ کے درمیان سفر کرتا رہا اور بعد میں بھی کیا، مگر جتنی جلدی سرکارؒ کے ساتھ یہ سفر طے ہوا کبھی نہ ہو سکا۔ ظہر کے بعد سرکارؒ مسجد نبویؐ تشریف لے گئے۔ میں اور سمیع بھائی ساتھ تھے۔ وہاں ہم نے سرکار کو روضۂ مبارک کے سامنے کیسے حاضر ہوتے ہیں، دیکھا۔

پھر ہم آئندہ اس پر عمل کرتے رہے۔ آپؒ باب جبریل سے داخل ہوئے اصحابِ صفہ کے چبوترے کے سامنے سے ہوتے ہو ئے ریاض الجنۃ میں داخل ہو کر دوسری طرف دروازہ سے نکل کر بائیں طرف مڑ کر ضریح مبارک کے سامنے سے ہوتے ہوئے واپس ریاض الجنۃ کے دروازہ کے برابر ستون کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ آپؒ تقریباً ایک گھنٹہ تشریف فرما رہے اس وقت آپ کی جو کیفیت تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

نوٹ: اس زمانے میں مسجد نبوی میں اتنا زیادہ رش نہیں ہوتا تھا بلکہ ظہر کے بعد مسجد میں لوگ بہت کم ہوتے تھے۔

نظرِ کرم

از ۔ متین اختیاری

سعودیہ عرب میں میری بیگم کی طبعیت خراب ہُوئی جس کی وجہ سے مختلف اوقات میں تین مرتبہ اسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ جو لیڈی ڈاکٹر اسپتال میں ریفر کرارہی تھی، وہ سعودی تھی اور مزاجاً تھوڑی سخت تھی۔ ایک دن اس نے نرس کے ذریعے بیگم سے پوچھا کہ تمہارا شوہر تم سے لڑتا تو نہیں، بیگم کا جواب نفی میں سُن کر اُس نے مجھے بلوایا اور بیگم کو باہر بھیج دیا۔ مجھ سے سختی سے پوچھنے لگی کہ تم اپنی بیوی سے لڑتے ہو، مَیں نے نفی میں جواب دیا۔ اُس نے کہا کہ میں مریضہ کو اچھی سے اچھی دوائی دے رہی ہوں، پھر اُس پہ اثر کیوں نہیں ہوتا؟ یہ سب باتیں سُن کر آنے والی جمعرات علی الصبح بیگم سے کہا کہ تم تین چار گھنٹے اپنے آپ کو سنبھال لو، میں ھفوف سرکارؒ سے عرض کر کے آتا ہوں۔ سرکارؒ کے گھر کیلیئے روانہ ہُوا، گھر کے پاس گاڑی پارک کر رہا تھا کہ اقبال بھائی آ گئے اور مجھ سے پُوچھنے لگے کہ صبح صبح اکیلے؟ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ جب بچے گھر پہ ہوتے تو میں اکیلے کبھی نہیں آتا تھا، میں نے اُن کو بیگم کی ساری کیفیت بتادی۔ ہم دونوں سرکارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں دست بوسی کر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سرکارؒ نے فرمایا ''اتنی صبح اکیلے؟'' بجائے جواب دینے کے، میرے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اقبال بھائی نے بیگم کی بیماری کی تمام تفصیل آپؒ کو عرض کر دی۔ سرکارؒ نے اقبال بھائی سے فرمایا کہ اُن کو ناشتہ کراؤ۔ ناشتے کے بعد میں پھر سرکارؒ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ آپؒ نے میری طرف نظرِ کرم فرمائی، پھر فرمایا ' گھر جاؤ '۔ میں بعد دست بوسی گھر روانہ ہو گیا، گھر میں داخل ہوا تو دیکھا بیگم بچوں کے لیئے ناشتہ بنا رہی ہیں۔ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ ان کی شکل دیکھ کر محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ کچھ گھنٹے پہلے یہ اتنی سخت بیمار تھیں۔

Nawa-e-Sarosh

Compiled by

Honorable Meeraza Hasan Nizami

www.agharang.org